

قطعات (مرزا محمود سرحدی)

مشکل الفاظ و تراکیب کی تفہیم

الفاظ	مفہوم
آزیر	زبانی یاد کرنا، حفظ کرنا
مفکر	سوچ بچار کرنے والا
گلفام	پھول جیسے رنگ والا، محبوب
فرمان	حکم
شرع	قرآن و حدیث، اسلامی قانون
ساقی	پلانے والا

(بورڈ 2010-2013)

قطعہ 1:

کل ایک مفکر مجھے کہتا تھا سر راہ
شاید تری ملت کا ہے مٹنے کا ارادہ
میں نے یہ کہا اس سے کوئی وجہ بھی ہو گی
بولا کہ تری قوم میں شاعر ہیں زیادہ

تشریح: عبداللطیف المعروف مرزا محمود سرحدی اردو طنز و مزاح میں ممتاز حیثیت کے حامل ہیں۔ انھوں نے اپنی شاعری میں عوامی اور معاشرتی مسائل کا منفرد انداز میں مضحکہ اڑایا ہے۔ زیر تشریح قطعہ میں وہ کہتے ہیں کہ کل راستے میں مجھے ایک دانش ور ملا اور کہنے لگا کہ یوں لگتا ہے جیسے تمھاری قوم نے یہ فیصلہ کر لیا ہو کہ اب اس نے مٹ جانا ہے۔ میں نے جب وجہ دریافت کی تو اس نے یہ جواب دیا کہ تمھاری قوم میں روز بروز شاعروں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔

جب کسی قوم میں شاعروں کی تعداد بڑھ جائے تو وہ قوم مٹ جاتی ہے۔ شاعروں کے بارے میں مختلف ادوار میں مختلف لوگوں کی مختلف رائے رہی ہے۔ فارسی میں شاعری کو جز و پیغمبری کہا گیا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے شاعروں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

”شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ شاعر تو

محض خیالی باتوں کے پیچھے بے مقصد پھرتے ہیں اور شاعر وہ کہتے ہیں جو وہ

کرتے نہیں۔“ (الشعرا)

ایسے شعرا جن کا کلام عملی زندگی سے کوئی تعلق نہ رکھتا ہو جو لوگوں کو فرضی اور خیالی دنیا میں لے جائیں۔ ایسے شاعر دنیا و قوم کی تباہی کا سبب بنتے ہیں۔ دیکھا جائے تو کسی بھی قوم میں شاعروں کی کثرت اُس قوم کی تباہی کا سبب بنتی ہے۔ درحقیقت شعر و شاعری کا زندگی سے بہت گہرا تعلق ہے۔ شاعر جب شاعری میں بامقصد موضوعات زیر بحث لاتا ہے تو شاعری قوم کی ترقی کی وجہ بنتی ہے۔ اقبال ^{رحمۃ اللہ علیہ} نے شاعری کے ذریعے ہی اپنی سوئی قوم کو بیدار کیا۔

قوم کی ترقی کے لیے عمل کا ہونا ضروری ہے اور دیکھا یہ گیا ہے کہ شاعر کا عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایسے بے عمل شاعروں کی تعداد میں اضافہ ہونا قوم کی تباہی اور زوال کا پیش خیمہ ہے۔ لیکن ہر قوم میں ایسے شاعر بھی موجود رہے ہیں جنہوں نے اپنی قوم کو خواب غفلت سے بیدار کیا۔ علامہ اقبالؒ کے بعد مولانا ظفر علی خاں، حسرت موہانی حتیٰ کہ اختر شیرانی جنہیں رومانی شاعر کے طور پر جانا جاتا ہے وہ بھی کہتے ہیں:

ایک آزاد نفس عمر قفس سے بہتر
یہ صدا آتی ہے میسور کے کہساروں سے

اخباری اشتہار

قطعہ 2:

نوکری کے لیے اخبار کے اعلان نہ پڑھ
جان پہچان کی باتیں ہیں، کہا مان، نہ پڑھ
جن کو ملنی ہو، انہیں پہلے ہی مل جاتی ہے
بس دکھاوے ہی کے ہوتے ہیں یہ فرمان نہ پڑھ

تشریح: اگر آپ کو نوکری چاہیے تو اس کے لیے اخبارات میں دیئے گئے اشتہارات پڑھنے کی ضرورت نہیں ہوتی کیوں کہ یہ اشتہارات محض دکھاوے کے لیے دیئے جاتے ہیں۔ نوکری تو تعلقات کی بنیاد پر انسان کو ملتی ہے اور وہ یہ اشتہارات شائع ہونے سے پہلے ہی دے دی جاتی ہے۔ کوئی بھی ملک ہو، معاشرہ ہو۔ معاشرتی نظام چلانے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ کچھ اصول ہوں تاکہ معاشرے کا انتظام بہتر طریقے سے چل سکے۔ جہاں بے اصولی ہو وہ معاشرہ بہت جلد تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ قوانین معاشرے میں موجود افراد چاہے وہ جس بھی طبقے سے تعلق رکھتے ہوں ان کے اطمینان کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ ملازمت ہر شخص کا حق ہے۔ اگر کوئی شخص معیار پر پورا اترے تو اسے اس کا حق دینا چاہیے لیکن یہاں پر ملازمت رشوت یا سفارش کی بنیاد پر دی جاتی ہے۔

سادہ لوح لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اخبار میں شائع ہونے والی ملازمت انہیں مل جائے گی جب کہ درحقیقت یہ تو جن کو ملنی ہوتی ہے پہلے ہی انہیں دے دی جاتی ہے۔ لوگوں کو جائز حقوق دینے کی بجائے غصب کر لیے جاتے ہیں۔ تشریح طلب قطعے میں معاشرے میں موجود بدعنوانی کا پردہ چاک کیا گیا ہے کہ ہمارے یہاں اہلیت کی بنیاد پر ملازمت نہیں دی جاتی بلکہ ذاتی اثر و رسوخ کی بنیاد پر ملازمتوں کی بندر بانٹ ہوتی ہے۔ اپنے منظور نظروں کو نوازاجاتا ہے۔ لہذا نوکری کے خواہش مند لوگوں کو ان اشتہارات پر یقین نہیں رکھنا چاہیے۔ ہمارے معاشرے میں نوکری ملنا بہت مشکل ہے۔

مختصر یہ ہے کہ شاعر اخبارات کے اشتہارات کا تذکرہ کرتے ہوئے نوکری کے متلاشی افراد کو یہ نصیحت کر رہے ہیں کہ وہ اخبار میں چھپنے والے ان اشتہارات پر یقین کر کے خود کو ذہنی و جسمانی اذیت میں مبتلا نہ کریں کیوں کہ ہمارے معاشرے میں سفارش اور رشوت کے بغیر نوکری ملنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہے۔ اکبر الہ آبادی اپنے مشہور قطعہ میں طالب علموں کو یہی نصیحت کرتے ہیں۔

غفلت

(پورڈ 2010)

قطعہ 3:

اے ساقی گل فام بُرا ہو ترا تُو نے
باتوں میں لبھا کر ہمیں وہ جام پلایا
یہ حال ہے سو سال غلامی میں بسر کی
اور ہوش ہمیں اب بھی مکمل نہیں آیا

تشریح:

شراب پلانے والی شخصیت (انگریز) جو پھولوں کی مانند نازک اور خوب صورت ہے۔ اس نے ہمیں شراب کا ایسا پیالہ پلایا کہ سو سال غلامی میں بسر کرنے کے بعد ہم اب بھی ہوش میں نہیں آئے۔

”انسان میں اگر اور کوئی بات قابلِ ذکر نہیں تو یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ انسان غلام رہ کر جینا پسند نہیں کرتا۔“ اگر تاریخ پر نظر دوڑائی جائے تو یہ آزادی معاشی، تاریخی اور سیاسی جبر سے حاصل کی ہوئی ہے۔ انسان اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنا چاہتا ہے۔ برصغیر میں مسلمانوں نے ہزاروں سال تک حکومت کی لیکن ایک وقت آیا کہ مسلمان زوال کا شکار ہو گئے کیوں کہ مسلمان بے عمل ہو چکے تھے۔ اخلاقی گراؤ کا شکار ہو چکے تھے۔ معاشرہ تباہ و برباد ہو رہا تھا۔ ان حالات میں انگریزوں نے مقامی لوگوں کی وجہ سے حکومت قائم کر لی اور مسلمانوں کو سو سال تک غلام بنائے رکھا۔ غلامی میں انسان کو زندگی کی سنگینیوں کا شدت سے احساس ہوتا ہے۔ مسلمان سو سال تک غلام رہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ غلامی میں مسلمانوں کو اپنی ذلت کا احساس ہوتا۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ وہ عقل مندی سے کام لیتے لیکن وہ ہوش میں نہ آئے اور اس کے نتیجے میں مشرقی پاکستان علیحدہ ہو گیا اور اندرا گاندھی کو یہ الفاظ کہنے کا موقع ملا: ”مسلمانوں سے آج ہم نے اپنی ہزار سالہ غلامی کا بدلہ لے لیا ہے۔“

سوریا پھوٹا تھا جس زمین سے
وہاں اب سانجھ ہو کے رہ گئی ہے
بہت تھا جس کو زرخیزی کا دعویٰ
وہ دھرتی بانجھ ہو کے رہ گئی ہے

شاعر انگریز کو پھولوں کی طرح نازک اور خوبصورت ساقی (شراب پلانے والا) قرار دیتے ہوئے بتا رہا ہے کہ انگریز نے مسلمانوں کو اپنی باتوں میں لگا کر ایسا جام پلادیا ہے جس سے مسلمانوں کے ہوش و حواس اڑ گئے ہیں اور وہ غفلت کی نیند سو گئے ہیں۔

مختصر یہ کہ شاعر نے ایک طرف تو انگریز کی چالاکیوں اور چال بازیوں کا ذکر کیا ہے اور دوسری طرف مسلمانوں کی غفلت اور مدہوشی پر تنقید کی ہے کہ ایک طرف تو انگریز نے اپنی چالاکیوں سے مسلمانوں کو غلامی کے اندھیروں میں دھکیل دیا ہے اور دوسری طرف مسلمان خواب غفلت کا شکار ہیں اور انگریز کی غلامی کو قبول کیے بیٹھے ہیں۔

ریڈیو

قطعہ 4:

جن کو انگریز کا قانون ہو اُزبر ان سے
اور سب پوچھ مگر شرع کے احکام نہ پوچھ
ریڈیو میں بھی جو قرآن کی تلاوت نہ سنیں
ان مسلمانوں کی اولاد کا اسلام نہ پوچھ

تشریح: وہ مسلمان جو مشرق کی بجائے مغرب سے مرعوب ہیں جنہیں مغربی قوانین زبانی یاد ہوں ان سے اسلامی احکام نہیں پوچھنے چاہئیں کیوں کہ جو افراد ریڈیو پر تلاوت سننا پسند نہ کریں ان کی اولادوں کا اسلام سے کیا تعلق۔

مذہب اور دین کے سوال صرف علم والوں سے کرنے چاہئیں۔ ہمارے معاشرے کا یہ المیہ ہے کہ یہاں ہر کوئی مذہب کے مسائل بیان کرتا رہتا ہے۔ قرآن پاک نے اس رویے کے برعکس یہ حکم دیا ہے کہ اگر تم دین کے معاملے میں بے خبر ہو تو تمہیں صرف اہل ذکر اور اہل علم حضرات سے پوچھنا چاہیے۔ ارشادِ بانی ہے:

فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون ۝ ”پس اگر تم علم نہیں رکھتے تو اہل ذکر سے سوال کرو“

مرزا محمود سرحدی اس قطعہ میں مسلمانوں کی اولاد پر تنقید کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ آج مسلمانوں کی اولاد میں مذہبی لگاؤ ختم ہو گیا ہے۔ مذہب سے دوری انسان کو پستی کی طرف لے جاتی ہے۔ دنیا میں قومیت کے مختلف نظریات موجود ہیں۔ کہیں جغرافیائی بنیاد پر تو کہیں رنگ و نسل کی بنیاد پر۔ اسلام میں ان سب نظریات کی بنیاد کسی پر نہیں ہے۔ اسلام میں قومیت کی بنیاد مذہب پر ہے۔

ہم نشیں کہتا ہے کچھ پروا نہیں مذہب گیا

میں یہ کہتا ہوں کہ بھائی یہ گیا تو سب گیا

انسان اپنے ماحول کا پروردہ ہوتا ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ ”ہر بچہ اللہ تعالیٰ کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے والدین اسے عیسائی، یہودی یا آتش پرست بنا لیتے ہیں۔“ اگر والدین کو مذہب سے دل چسپی نہ ہو تو ظاہر ہے اولاد کو بھی نہیں ہوتی۔ مرزا محمود سرحدی مسلمانوں کی اولاد میں موجود بے دینی اور مغرب پسندی پر تنقید کر رہے ہیں۔

مرزا محمود سرحدی مسلمانوں کی غفلت پر تنقید کر رہے ہیں کہ آج کا مسلمان اور اُس کی اولاد دنیا اور اُس کی رنگینوں میں کھو کر مذہب اور اُس کی روایات بھول چکی ہے۔ یہاں تک کہ آج کا مسلمان اور اُس کی اولاد ریڈیو یا ٹیلی ویژن پر بھی قرآن کی تلاوت سننا گوارا نہیں کرتی۔